تنزیل و تاویل

حکمتِ قرآنی اور اصلاحِ تمدن

ایک صاحب سوال کرتے ہیں:-

"سورۂ آل عمران میں تیرھویں رکوع سے اٹھارویں رکوع تک جنگ احد پر مسلسل تبصرہ کیا گیا ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ تیرھویں رکوع میں جنگ احد پر تمہیدی تقریر ابھی شروع ہی کی تھی کہ یکایک بیچ میں سود کی حرمت کا ذکر آ گیا چنانچہ چودھویں رکوع کا بیشتر حصہ اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بعد آیت وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ سے پھر جنگ احد پر کلام شروع کیا گیا ہے۔ اس موقع پر دو سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کا اپنے ماقبل اور مابعد سے کیا ربط ہے؟ ایک جنگ کے واقعات پر کلام کرتے ہوئے بیچ میں یہ بحث آخر کس تعلق سے چھیڑ دی گئی؟

(۲) اس موقع پر خاص طور سے سود در سود یا بڑھا چڑھا کر سود لینے کو منع و تحریم کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا؟

ترجمان القرآن۔ جو لوگ قرآن مجید کی تعلیمات کو مدبرانہ اور محققانہ انداز میں سمجھنے کا ذوق رکھتے ہوں ان کے لیے من جملہ دوسرے امور کے یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کے تاریخی پس منظر

(Historical background) کو سامنے رکھیں - اس طرح نہ صرف یہ کہ آیات کا باہمی ربط سمجھنا انکے لیے آسان ہوگا، بلکہ وہ اس حکمت تشریع کو بھی سمجھ سکینگے جسے احکام کے تدریجی ارتقاء میں ملحوظ رکھا گیا ہے -

جہاں تک اسلام کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے، قرآن مجید نے ابتدا ہی میں ان کا صاف صاف بے کم وکاست اعلان کر دیا تھا، اور آخر وقت تک ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا - یہ کہ مخلوقات کا اِلٰہ بجز اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے اور کوئی نہیں، یہ کہ عبادت اور استعانت اس ایک اِلٰہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، یہ کہ ہر ہر انسان اسی ایک حاکم اعلیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور بالآخر اپنے پورے کارنامۂ حیات کے ساتھ اس کی عدالت میں پیش ہونے والا ہے، یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نوع انسانی کی طرف اللہ کے رسول ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے اور صراطِ مستقیم بجز "اسلام" کے اور کوئی نہیں، یہ تمام باتیں دعوتِ محمدیؐ صلعم کی ابتدا میں جس طرح کہی گئی تھیں اسی طرح آخر وقت تک کہی جاتی رہیں - ان میں کوئی ارتقا نہیں - جو دعویٰ اول دن کیا گیا تھا وہی آخر تک قائم رہا - فرق جو کچھ ہوا وہ صرف اتنا تھا کہ کبھی اسے تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا اور کبھی اختصار کے ساتھ -

بخلاف اسکے تمدنی اصلاح (Social reform) کے باب میں قرآن نے تدریج کو ملحوظ رکھا ہے - ابتدا میں تمام تر زور ایمان کو مستحکم کرنے پر صرف کیا گیا، اور اسکے ساتھ مدنیت صالحہ کے وہ اصول ذہن نشین کرائے جاتے رہے جن پر آگے چل کر نئی تہذیب کی عمارت تیار کرنی تھی - مکۂ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تمام تر انہی دو باتوں تک محدود تھا - اسکے بعد مدینہ میں جب عملاً نئی تہذیب کی تعمیر شروع کی گئی، اور وہ وقت آیا کہ مدنیۃ صالحہ کے ان مجرّد اصولوں (Abstract principles) کو جنہیں مکہ میں پیش کیا گیا تھا متعین صورت (Concrete form) میں اجتماعی زندگی کے اندر

نافذ کیا جائے، تو اس کام میں بھی جلد بازی سے کام نہیں لیا گیا کہ پورے اصلاحی پروگرام کو یکلخت عملی جامہ پہنا دیا جاتا، بلکہ تدریجی عمل کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ نئی سوسائٹی جیسے جیسے بنتی گئی، جیسے جیسے موقع پیش آتے گئے ان کے لیے قانون بنایا جاتا رہا۔ ہر نئے اصلاحی قدم کے لیے آمادگی نفس کے موقع Psychological moment کا انتظار کیا جاتا، اور جب وہ موقع آتا تو ایسے مؤثر انداز میں حکم سنایا جاتا کہ سیدھا دلوں کی تہوں میں اتر جاتا اور وہاں سے کامل اطاعت بن کر عملی دنیا میں نمودار ہوتا۔

تمدن کی اصلاح کے لیے قرآن کے پیش نظر جو پروگرام تھا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ معاشی معاملات میں سے سود کے عنصر کو بالکلیہ خارج کر دیا جائے، اور اس کی جگہ انسان اور انسان کے معاشی تعلقات کو فیاضی، فراخدلی اور امداد باہمی کی روح پر قائم کیا جائے۔ اس دفعہ کو نافذ کرنے میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا گیا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ مکۂ معظمہ میں سود کی حرمت کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا، بلکہ محض اس نئے معاشی نظریہ کو پیش کرنے اور دماغوں میں اتارنے کی کوشش کی گئی کہ انفرادی سرمایہ داری (Individualistic capitalism) اگر خود غرضی اور تنگ نظری پر مبنی ہو ــــ جو سود خواری کی اصلی بنیاد ہے ــــ تو اس کا نتیجہ اجتماعی نقصان ہے، اور جو فرد یہ جماعت دشمنی کا (Anti-social) شیوہ اختیار کرتا ہے وہ اگرچہ بظاہر پھلتا پھولتا نظر آتا ہے، مگر آخر کار دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی بربادی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ بخلاف اسکے اگر اسی انفرادی سرمایہ داری کی بنیاد جماعتی حقوق کے صحیح احساس پر مبنی ہو تو اس سے بظاہر فرد کی دولت گھٹتی نظر آتی ہے، مگر درحقیقت وہ بڑھتی ہے، کیونکہ جو فرد اجتماعی خوشحالی میں مددگار بنتا ہے وہ نتیجتاً دنیا میں بھی اپنی دولت بڑھاتا ہے اور آخرت میں بھی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ	کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ جسکو چاہتا ہے فراخی کیساتھ رزق
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ	دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ایمان لانے

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔	والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ لہذا تو
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ	اپنے رشتہ دار کو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق
وَابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ	دے۔ یہ فعل ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ
یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہ آخر وہی فلاح پانے
الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا	والے ہیں۔ اور یہ جو تم سود دیتے ہو تاکہ بعض لوگوں
فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ	کے مال میں بڑھوتری ہو تو اللہ کے نزدیک تو اس
وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ	سے مال نہیں بڑھتا۔ البتہ مال ان کا بڑھتا ہے
اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم۔۴)	جو خدا کی خوشنودی کے لیے زکواۃ دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مکہ معظمہ کی زندگی میں اُس نئی معاشی پالیسی کے لیے جسے آگے چل کر نافذ کرنا تھا، دوسرے پہلوؤں سے بھی زمین تیار کی جاتی رہی۔ انسان کی حقیقی ضروریات سے جو دولت بچ جائے اسے جمع کرنے کی سخت مذمت کی گئی کیونکہ خودغرضانہ سرمایہ داری کی ابتدا اسی مقام سے ہوتی ہے۔ بخلاف اسکے ایک طرف تجارتی کاروبار کی ہمت افزائی کی گئی اور دوسری طرف بار بار یہ امر ذہن نشین کیا گیا کہ جو کچھ تم کماؤ اس میں تمہاری جماعت کے کم نصیب افراد کا حق ہے۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

اتنا کام مکہ معظمہ میں کیا جا چکا تھا۔ اسکے بعد مدینہ طیبہ پہنچ کر جب نئی اجتماعی زندگی کی بنا رکھی گئی تو اس معاشی پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کیا جانے لگا۔ ہجرت کے تیسرے سال جب جنگ احد واقع ہوئی تو وہ موقع آگیا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کا اصل سبب مال کا لالچ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور اپنی ڈیوٹی سے ہٹ کر جماعت کے وجود کو خطرے میں ڈالا۔ جیساکہ تاریخ

پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں، غزوۂ احد میں آنحضرت صلعم نے تین ہزار مشرکین کے بالمقابل اپنی سات سو کی مختصر جمعیت کو بہترین جنگی موقف (Strategical position) پر رکھا تھا، یعنی احد کی پہاڑی آپ کی پشت پر تھی اور دشمن کے لیے گھیرا ڈالنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ احد کی جانب سے مشرکین کے لیے عقبی حملہ کرنے کا صرف ایک راستہ تھا جس پر حضور نے عبداللہ بن جبیر کے تحت ۵۰ تیر اندازوں کا ایک مضبوط دستہ بٹھا دیا تھا تاکہ اگر دشمن اس طرف سے حملہ کرنا چاہے تو یہ دستہ دور ہی سے اس کو تیروں پر رکھے۔ اس جنگی نقشہ کی کامیابی کا تمام تر دارومدار اس پر تھا کہ تیر اندازوں کا یہ دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ چنانچہ حضور نے ان کو سخت تاکیدی حکم دیا کہ "اگر ہمیں شکست ہو اور تم دیکھو کہ شکاری پرندے ہمیں اُچکے لیے جا رہے ہیں تب بھی ہماری مدد کو نہ آنا، اور اگر ہم فتحیاب ہوں اور تم دیکھو کہ دنیا کی دولت لُٹ رہی ہے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا" لیکن جب معرکۂ کارزار گرم ہوا اور بہادرانِ اسلام نے مار مار کر مشرکین کے منہ پھیر دیے اور شکست خوردہ دشمن کے لشکر میں لوٹ شروع ہوئی تو تیر اندازوں کی یہ جماعت اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی۔ پچاس میں سے ۴۰ آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت پر جا گرے، اور مشرکین کو موقع مل گیا کہ پشت کے درے کی طرف سے حملہ کر کے مسلمانوں کو گھیر لیں۔ اسی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل گئی، ان کے بہترین آدمی شہید ہوئے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے، اور ایسا سخت وقت آگیا کہ اگر مشرکین کی عقل نہ ماری گئی ہوتی اور وہ بلا کسی معقول وجہ کے خود بخود پسپا نہ ہو گئے ہوتے تو مدینہ کی بھی خیر نہ تھی۔

یہ تھا وہ نفسیاتی موقع جس کو معاشی اصلاح کا پہلا قدم اٹھانے کے لیے چن لیا گیا۔ احد سے واپس مدینہ پہنچتے ہی سورۂ آل عمران کی وہ آیات نازل ہوئیں جن کا ذکر سائل نے اپنے سوال میں کیا ہے۔ ان آیات میں غزوۂ احد پر تبصرہ کرتے ہوئے شکست کا اصلی سبب جو مشخص کیا گیا

ہے وہ یہی ہے کہ تم میں سے بہت سے لوگ مال کی محبت میں مبتلا ہیں اور یہ زر پرستی تمہیں نافرمانی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ نیز یہ کہ تم میں صبر و تقویٰ کی جگہ وہن اور فشل (ضعف) پایا جاتا ہے جو نتیجہ ہے حب دنیا کا:-

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ

اللہ نے تو تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا تھا یعنی یہ کہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں فتح ہوگی چنانچہ جنگ کے ابتدائی حصہ میں) تم ہی ان کو مار رہے تھے۔ مگر جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تمہیں محبوب ہے، (یعنی مال غنیمت) اور اسے دیکھ کر تم میں کمزوری آگئی اور تم نے (اپنے امیر عبداللہ بن جبیر سے) حکم میں جھگڑا کیا اور (رسول کی) نافرمانی کی (تو وہ وعدہ ختم ہو گیا)۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت۔ پس اللہ نے تم کو کفار کے مقابلہ سے پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔

جب شکست کا اصل سبب یہ تشخیص ہوا تو اس کا علاج بھی یہی تجویز ہونا چاہیے تھا کہ دلوں میں مال کی محبت کا سرچشمہ جس جگہ واقع ہے اس پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ ٹھیک اسی مقام پر انگلی رکھوی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اے ایمان والو! بہت بڑھا چڑھا کر سود نہ کھایا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو کہ اسی طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

مطلب یہ ہوا کہ یہ مال کی محبت جو تمہارے دلوں میں جائز فطری حد سے بڑھ گئی ہے اور جس کی وجہ سے تمہاری روح میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اسکے بڑھنے کا سبب یہ ہے کہ

تم مدتوں سے سود خواری کے خوگر ہو، جس نے تمہارے قلب کے ریشہ ریشہ میں مال کی محبت پیوست کردی ہے۔ تم جب اپنے کسی حاجت مند بھائی کو کچھ مال دیتے ہو تو ایک ایک دن گن کر اس پر اپنے فائدے کا حساب لگاتے چلے جاتے ہو۔ اس عادت اور خصلت سے بڑھ کر اور کونسی چیز عشق زر کی بیماری پیدا کرنے والی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ کم از کم سود در سود اور ہر سال بڑھتا چڑھتا سود[1] تو آج ہی سے چھوڑ دو۔

یہ محض مشورہ نہ تھا بلکہ حکم تھا اور ایسا سخت تاکیدی حکم تھا کہ اس کے بعد ہی وہ تہدیدی فقرہ ارشاد ہوا جسے سن کر سارے مسلمان کانپ اٹھے۔ فرمایا:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔	ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔

مسلمان، اور اس آگ میں ڈالا جائے جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہو! اس سے بڑھ کر ایک سچے مسلمان کے لیے خوفناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ ڈراؤنی آیت ہے، کیونکہ اس میں مسلمان کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اس نے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز سے پرہیز نہ کیا تو اسے وہ سزا دی جائیگی جو کافروں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ عشق مال اور بندگی زر کی جگہ مسلمان میں کیا صفات ہونی چاہئیں، اور وہ تقویٰ کیا ہے جس کے متعلق ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ "اگر تم میں صبر اور تقویٰ ہو تو ہم

[1] اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً۔ سود کی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کو مثلاً ایک سال کے وعدے پر روپیہ قرض دیا اور اس پر ایک شرح سود مقرر ہوگئی۔ دوسرے سال کے آغاز میں اگر قرض ادا نہ ہوا تو پھر ایک سال کی مہلت دی اور شرح سود پہلے سے بڑھا دی گئی۔ اس طرح ہر سال شرح سود میں اضافہ کیا جاتا رہتا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کافی مدت تک اگر سود ادا نہ ہوتا تو سود کی رقم کو اصل میں شامل کر کے اس پر پھر سود لگا دیا جاتا۔

تمہاری مدد کرینگے۔"

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ
اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ
ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ
مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائیگا۔ اور دوڑو اپنے رب کے دامن رحمت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کی وسعتوں جیسا ہے، جو متقیوں کے لیے مہیا کی گئی ہے (کون متقی؟) وہ جو تنگ حالی اور خوش حالی، دونوں حالتوں میں (اپنے مقدور بھر راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور انسانوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی محسنوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ (اور متقی کون؟) وہ جو کبھی اگر کوئی برا کام یا اپنے نفس پر ظلم (یعنی گناہ) کر بیٹھتے ہیں تو فوراً انہیں خدا کا خیال آجاتا ہے جس کے اثر سے وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں، اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کا معاف کرنے والا ہو؟ (یہ متقی) اپنے فعل پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ اگر مشرکین اور کفار کے مقابلہ میں غلبہ اور فتح چاہتے ہو تو اپنے اندر سے دنیا طلبی، زر پرستی، نفسانی خواہشات کی بندگی نکال ڈالو اور انکی جگہ یہ ایجابی (Positive) خوبیاں پیدا کرو، تاکہ تمہارا اخلاقی مرتبہ ان سے بلند ہو جائے، اور تم زمین پر خدا کی نیابت کے اہل بن جاؤ۔ ورنہ اگر تم بھی اخلاقی حیثیت سے ویسے ہی رہے جیسے

کفار و مشرکین ہیں، تو آخر تم سے اللہ کا کیا رشتہ ہے، اور کفار قریش سے کیا دشمنی ہے کہ وہ ان کے مقابلہ میں تمہاری نصرت و حمایت کرے ؟

دیکھیے! یہاں قرآنی حکمت (Wisdom) اور انسانی حکمت کا فرق کیسا حیرت انگیز ہے۔ اگر کوئی انسان، جسکی نگاہ محض اسباب دنیا پر ہوتی، جنگ احد کے حالات پر نگاہ ڈالتا اور مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کی تشخیص کرتا، تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتا کہ کفار کی مالی حالت بہت اچھی تھی، قریش کے علاوہ عرب کے دوسرے قبائل اور مدینہ کے یہودی سرمایہ دار ان کی پشت پر تھے، انکے پاس دو سو سواروں کا رسالہ تھا، انکے بیشتر آدمی زرہ پوش تھے، ان کے اسلحہ زیادہ اچھے تھے۔ برعکس اسکے مسلمان صرف پچاس سواروں کا رسالہ لا سکے تھے! ان کے پاس بمشکل ۱۰۰ آدمی زرہ پوش تھے۔ انکی بے سروسامانی کا حال یہ تھا کہ اپنے مقتولوں کی تجہیز و تکفین بھی اچھی طرح نہ کر سکے تھے۔ اس وجہ سے کفار کا پلہ بھاری رہا اور مسلمانوں نے نقصان اٹھایا۔ کمزوری کا یہ سبب تشخیص کرنے کے بعد وہ اگر کوئی علاج تجویز کرتا تو یہ کرتا کہ مسلمانوں کو اپنی مالی حالت درست کرنی چاہیے۔ جو لوگ ان میں سود نہیں کھاتے انہیں بھی سود خواری شروع کر دینی چاہیے شرح سود پہلے سے زیادہ بڑھا دینی چاہیے۔ غرض ہر ممکن طریقہ سے اپنی جماعت کی دولت میں اضافہ کرنا چاہیے۔ مگر خدائی حکمت ملاحظہ ہو کہ کمزوری کا سبب مال کی کمی کو نہیں بلکہ مال کی محبت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس عشق مال کی بیماری کو دور کرنے کے لیے شرح سود میں تو فوراً تخفیف کرنی چاہیے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس مرحلہ پر صرف شرحِ سود (Rate of interest) کی تخفیف پر کیوں اکتفا کیا گیا؟ سود کو قطعی بند کیوں نہ کر دیا گیا؟ تو اس کا جواب وہی ہے جسکی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے تدریجی اصلاح کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسلام محض اخلاقی اصول بیان

کرنے والی حکمت ہی نہیں ہے، بلکہ زندگی میں عملاً اپنے اصولوں کو نافذ کرنے والا تدبّر Statesmanship) بھی ہے۔ ایک ملک کے معاشی نظام کو یکایک بدل ڈالنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر جبر اور خونریزی سے اسکی کوشش بھی کی جائے تب بھی سابق نظام کے اثرات فوراً نہیں مٹ سکتے۔ اسلیے اسلام نے اپنی جدید معاشی پالیسی پر رفتہ رفتہ عمل کیا۔ ۳ھ ہجری میں جیساکہ ابھی بیان ہوا، جنگ احد کے بعد پہلا قدم شرح سود کی تخفیف کی صورت میں اٹھایا گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ اور اجناس کے کاروبار میں سٹہ (Speculation) کو روکا اور ایک ہی جنس کی چیزوں کے مبادلہ میں کمی و بیشی کو سود قرار دیا۔ اس کے بعد آپ نے مبادلۂ زر (Exchange) کی طرف توجہ فرمائی اور سونے چاندی بصورت جنس (Bullion) یا بصورت زر (Money) دونوں کے مبادلہ میں ناجائز نفع بازی (Profiteering) کا دروازہ بند کر دیا۔ آخری ضرب اور فیصلہ کن ضرب فتح مکہ کے بعد لگائی گئی جبکہ قریب قریب پورا عرب اسلام کا سیاسی اقتدار قبول کر چکا تھا۔ اس وقت پورے زور کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا "اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے"۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا "اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود تمہارا لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسے چھوڑ دو"۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ "اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے"۔ اُس وقت اسلام یہ طاقت رکھتا تھا کہ بزور سود کو بند کر دے اور پورے ملک کے معاشی معاملات کو ایک نئی بنیاد پر قائم کرے، اس لیے اس نے نہ صرف تحریم سود کا اعلان کیا بلکہ اس اعلان کو بجبر منوا کر چھوڑا۔ سودی معاملات کرنے والے قبائل کو دھمکی دی گئی کہ اس کاروبار کو نہ چھوڑو گے تو تم پر چڑھائی کی جائیگی۔ نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا گیا کہ سودی کاروبار بند کر دیں ورنہ اسلامی حکومت انکی حفاظت سے بری الذمّہ ہے۔